# اسد محمد خاں کا تاریخی شعور

طیبہ نگہت [1]

**Abstract:**

"Asad Muhammad Khan is a great fiction writer. There is diversity in his topics. He has not only selected the main topics of the modern times but the historical events, the conflicts of the present times, Politics, economics, the cultural and spiritual dissatisfaction and many aspects of social life are also found in his fiction. There is no concept of poverty or the powers of landowner's minds, but the life is depicted in a unified form. There is a large collection of historical and cultural fiction by Asad Muhammad Khan. Asad has molded the historical facts into fictional prose in such a way that it has not only widened the canvas of fiction on the level of literature but a new concept of history writing has come on the scene."

تاریخی عمل کی ابتداء انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی ہو گئی۔ تاریخ کو اقوام کی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انسان کی شخصیت کو بنانے اور بگاڑنے میں تہذیبوں کا وجود میں آنا اور دنیا کے نقشے سے مٹ جانا تاریخی عمل کی بنا پر ہے۔اُردو فسانے کی تاریخ میں قرۃ العین حیدر اور عزیز احمد نے تاریخ کے حوالے سے یادگار افسانے لکھے ہیں۔ اسد محمد خاں ہمارے عہد کے ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے افسانوں کی ایک بڑی تعداد تاریخی،تہذیبی اور ثقافتی افسانوں کی ہے۔اسد نے تاریخی حقائق کو افسانوی نثر میں ڈھالا ہے۔ جس سے نہ صرف ادب کی سطح پر افسانے کا کینوس بڑھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تاریخ نگاری کا نیا نقطہ نظر سامنے آگیا۔

بر صغیر کی تاریخ میں ایسے بہت سے سلاطین گزرے ہیں جن کا اپنے دور میں بہت رعب و دبدبہ تھا۔ لیکن اب ان کا کوئی نام لیوا نہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں کچھ ایسی بڑی شخصیات نظر آتی ہیں جنہوں نے تاریخی عمل کو ایک نیا موڑ دیا ان میں ایک نام شیر شاہ سوری کا بھی ہے۔ اسد محمد خان کے بہت سے افسانے شیر شاہ سوری کے دور کی عکاسی کرتے ہیں۔ جن میں ''گھڑی بھر رفاقت''،''غصے کی نئی فصل''،''نربدا''،''رگھوبااور تاریخ فرشتہ'' اور جشن کی ایک رات جیسے افسانے شامل ہیں۔ اسد محمد خاں نے تاریخ کو افسانے میں اس طرح گوندھ ڈالا ہے کہ دونوں اجزاء کو الگ الگ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا ہے کہ کہاں تاریخی حقائق ہیں اور کہاں تخیل کی کارفرمائی ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''وہ تاریخ سے انسانی بصیرت کے لئے ایسے معنی کشید کرتے ہیں۔ جو ایک طرف انسانی فطرت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف تاجداروں غرض مندوں، سازشوں اور جلسے جلوسوں کی زینت بننے والوں کی ظاہری اغراض کے پس پردہ یا متوازی دھندلکے میں چھپی تمناؤں کو ایک وجدانی انکشاف بنادیتے ہیں۔ '' (۱)

اسد محمد خاں کو ''شیر شاہ سوری'' کا دور شاید اس لئے پسند ہے، کیوں کہ اس دور میں بہت سے ایسے کام کئے گئے جو سرا سر عوام کے مفاد میں تھے۔ شیر شاہ سوری نے بعض علاقوں میں مالیہ کے محصولات، فصل کی نوعیت اور پیداوار کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے۔

شیر شاہ نے سکہ سازی پر توجہ دی۔ اور ٹانکہ سکہ جاری کیا روپیہ جاری کیا۔ اور نئی ٹکسالوں کا اہتمام کیا، اسی طرح اوزان کے پیمانوں کی کڑی نگرانی رکھی۔ شیر شاہ سوری نے تعمیرات اور

---

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج ویمن یو نیورسٹی فیصل آباد

لوگوں کو سفر کی سہولتیں فراہم کرنے پر توجہ دی۔ لاہور سے ملتان، آگرہ سے ہریاں پور اور ماروا سڑکیں شیر شاہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔
محمد علی چراغ لکھتے ہیں:

”شیر شاہ سوری کو گو ایک بنی بنائی سلطنت ملی تھی لیکن اس کے باوجود شیر شاہ نے ملک میں اصلاحات کے نفاذ اور اسلامی تعلیمات کے نفاذ پر توجہ دی کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا حکمران تھا کہ جس کی حکومت کی جڑیں عوام میں تھیں وہ اپنی ذہانت عقلمندی اور تجربے کی بنا پر ہندوستان کو ایک غیر معمولی نظام دینے میں کامیاب ہوا۔“(۲)

شیر شاہ سوری کا دور حکومت ایسا ہی تھا کہ سلطنت کے وزیروں سے لے کر رعایا تک سب اس سے خوش تھے۔اسد محمد خاں افسانوں میں اس دور کی یاد تازہ کر کے اس کا ذکر کر کے اسے اپنے حال میں تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتے۔ کیوں کہ حال میں انہیں کوئی ایسا حکمران نہیں ملتا جس سے عوام خوش ہوں۔ قیام پاکستان سے لے کر اب موجودہ دور تک کسی بھی دور حکومت میں عوام کو کھل کر اظہار کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ اور مذہبیت کی سطح پر ملا نے اسلام پر اجارہ داری قائم کر کے لوگوں کو اسلام کی اصل روح سے دور رکھا ہے۔ جبکہ شیر شاہ سوری کے دور میں عام آدمی کی رائے کا بھی احترام کیا جاتا تھا۔موجودہ دور کے حکمرانوں اور عوام کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔ حکمرانوں کو صرف اپنے مفادات سے غرض ہے عوام کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔ لوگ بدیانت مالی اور اخلاقی لحاظ سے کمزور ہو گئے ہیں۔ اگر حکمرانوں کی یہی صورتحال رہی اور ان کو صرف اپنے مفادات سے غرض رہی تو ملک جلد ہی تباہ ہو جائے گا۔

”جشن کی ایک رات“ میں بھی شیر شاہ کے عہد کو موضوع بنایا گیا ہے۔ شیر شاہ نے اگرچہ ۱۵۴۰ءسے ۱۵۴۵ء تک ایک مختصر سی حکومت کی لیکن اس نے نظام حکومت پر پوری توجہ دی۔ شیر شاہ سوری نے علاؤ الدین خلجی کی طرح مالیاتی نظام کو مرکزی بنانے کی کوشش کی۔ اس نے بڑے جاگیرداروں کی جاگیریں توڑ کر ان کے اختیارات کو کم کیا اور عام کاشتکاروں اور زمینداروں کے مفادات کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ وہ اپنی رعایا سے بہت قریب تھا۔ شیر شاہ سوری جب بیماری سے صحت یاب ہوئے تو علاقے کے لوگوں نے جشن منایا جب انہیں اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے بھی اس محفل میں شرکت کی۔

”سلطان نے اسے اپنی بھاری گونجیلی آواز کو وقت اور موقع کی مناسبت سے عمدَ ا نرم کیا اور کہا حسن بابا تم نے میرے دوستوں کو یہاں تنبور منانے کو بلا بھیجا اور مجھے اقامت گاہمیں اکیلا چھوڑ دیا مگر میں کہاں رکنے والا تھا۔۔ دیکھو آگیا۔“(۳)

اس محفل کو رنگ و سرور میں بھی ڈھالا جا سکتا تھا مگر شیر شاہ نے اپنے عہد کو بجائے رنگ و سرور کی محفلوں میں گزارنے کے ملکی انتظام و انصرام کی طرف توجہ دی۔

شیر شاہ سوری نے یہ رات اپنی رعایا کے درمیان گزاری عدل و انصاف، رعایا پروری، فنون کی ترقی اور مذہب کی آزادی شیر شاہ سوری دور کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ اسی بنا پر عوام اور خواص سب شیر شاہ کو پسند کرتے تھے۔ شیر شاہ سوری نے علم و ادب کے حصول کے بہتر مواقع فراہم کئے۔ اکژ علوم و فنون کی سر پرستی سرکاری سطح پر کی گئی۔ ملک نے سماجی اور اقتصادی طور پر ترقی کی۔ لوگوں کو طرح طرح کی سہولتوں اور آسائشوں سے بہرہ ور کیا گیا۔ایک”سنجیدہ ڈی ٹیکٹیو سٹوری“ بھی شیر شاہ سوری کے عہد سے متعلق افسانہ ہے۔ جسے غائب راوی (متکلم راوی) بیان کرتا ہے۔ اسد کی زیادہ کہانیوں میں یہی انداز ملتا ہے۔ اقتدار کے کھیل کے اندر آرزو، فریب، سازش، بے رحمی جیسے عناصر پر مبنی افسانہ ہے۔
اسد محمد خاں لکھتے ہیں:

”مغلوں سے پہلے-----اور ان کے بعد بھی---- ناپسندیدہ سلطان یا نا پسندیدہ سلطانہ سے پیچھا چھڑانے کی راست صورت یہی سمجھی گئی ہے۔ کہ ایک سو ایک مروج طریقوں میں سے کوئی ایک

استعمال کرتے ہوئے اُسے ہلاک کر دیا جائے۔'' (۴)

دریا خان افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ قاری کی توجہ اس کردار پر مرکوز رہتی ہے۔ لیکن در حقیقت مصنف نے اس سے کہیں آگے جا کر بڑی باریکی اور اُپج کے ساتھ اس تماشے کی عکاسی کی ہے۔ جو آج کے دور کی دنیا میں طاقتور ممالک کھیلتے ہیں۔ طاقتور حکومتوں کے گماشتے ساری دنیا میں کئی سازشوں کے بیج بوتے، کہیں فساد پھیلاتے گھومتے پھرتے ہیں۔ اسد محمد خاں نے علامتی انداز میں حکمرانوں کے طرزِ حکومت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان خود غرض ہوس پرستوں نے ملک میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر رکھا۔ عوام کے بنیادی حقوق کی پاسداری کا کوئی خیال نہیں ہے۔ ملک کی بھاگ دوڑ ان بے ضمیر لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ عوام کی خواہشات کا انہیں کوئی احترام نہیں۔ جمہوریت کا ن لوگوں نے گلا گھونٹ دیاہے۔ یہ افسانہ سیاسی صورت حال، ہوس کی حکمرانی اور تمام اعلیٰ اقدار کے خاتمے کو سامنے لاتا ہے۔ حکمران اپنے مفادات اور خواہشات کی خاطر ملکی مفادات اور حکومتی اداروں کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

اسد محمد خاں نے علامتی انداز میں شیر شاہ سوری کے دور میں پائے جانے والے اخلاق و کردار سے محروم لوگوں کی عکاسی کی ہے، جو در پردہ ہی رہتے ہیں۔ دراصل محلاتی سازشوں، اقتدار کی لالچ، سیاسی انتشار، حکومتی عدم استحکام، ہوس اور لالچ عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کر دینے کا باعث بنتے ہیں۔

حمیرا اشفاق لکھتی ہیں:

''اس کہانی میں ماضی کا زمانہ استعمال کرتے ہوئے اپنے تخیل کی مدد سے جو تاریخی صداقت بنائی گئی ہے وہ وہی ہے جو ارسطو نے شاعری کے متعلق کہی تھی۔ کہ بعض اوقات تخیل کی مدد سے شاعر جو کچھ گھڑتا ہے وہ آفاقی نوعیت کا کارنامہ بن جاتا ہے۔'' (۵)

اس لیے یہ افسانہ مخصوص دور سے ہونے کے باوجود زمانے کی قید سے آزاد ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانوں کی کہانی بن جاتی ہے۔

اسد کے کردار کہانی کی مرکزیت کو بر قرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ کہانی کی فضا، خیال، تاثر جذبات اور بیان سب کچھ ہند اسلامی کلچر کو پیش کرتا ہے۔ اسد کہانی کی فضا کے ساتھ ساتھ کردار نگاری پر بھی توجہ دیتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے کردار زندہ متحرک اور فعال ہیں۔ اسد نے عام انسانی سطح سے بہت اُونچی نظر ڈوڑائی ہے۔ ایسے کردار اصل زندگی سے ملنے بہت مشکل ہیں۔ معاشرے کا ماحول اور تاریخی حقائق و ضروریات بھی ایسے کرداروں کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ان کہانیوں میں سماجی شعور اور عہد حاضر کی کرب ناکیوں کی داستان کو پیش کیا گیا ہے۔

سید مظہر جمیل لکھتے ہیں:

''اسد محمد خاں اپنی تاریخی کہانیوں میں مواد اور پس منظر تو بے شک عہد قدیم سے لیتے ہیں لیکن کہانی واشگاف الفاظ میں ہمیں بتا دیتی ہے کہ وہ تاریخی کتاب میں لکھی گئی حقیقت نہیں بیان کر رہے بلکہ اسی عہد کو دوبارہ تخلیق کر رہے ہیں۔ کہ اس میں ان کے عہد کی جھلکیاں بھی نمایاں ہو رہی ہیں۔ اور آپ ماضی کے آئینے میں اپنے عہد کے چہرے کی جھریاں دیکھتے چلے جاتے ہیں۔'' (۶)

''رگھوبا اور تاریخ فرشتہ'' طویل افسانہ ہے۔ افسانے کے آغاز میں اسد نے تاریخ نگاری کے فرسودہ طریقے پر چوٹ کی ہے کہ ہمیشہ تاریخ مقتدر لوگوں کے حوالوں سے بھری پڑی ہے۔ عام آدمی کا تاریخ میں کردار کچھ بھی رہا ہو۔ اسے تاریخی کتب کے صفحات میں اس وقت تک جگہ نہیں مل سکتی جب تک وہ فلاں ابن فلاں نا بن چکا ہو۔ تاریخ میں انسان کے نسبتی رشتے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ تاریخ کی غلام گردشوں میں تو جاہ پسندی باپوں سے بیٹوں کے سرا ترواتی رہی ہے اور بیٹے بھی باپوں کی لاشوں کو روندتے رہے ہیں۔ اسد محمد خاں تاریخی کہانیوں کے لئے مواد عہد قدیم سے لیتے ہیں لیکن اس میں ان کے ان کے اپنے عہد کی بھی جھلکیاں نمایاں ہو رہی ہیں۔

اسد محمد خان کے زیادہ تر افسانے شیر شاہ سوری کے عہد کی عکاسی کرتے ہیں۔ لیکن ان کے مجموعے ''تیسرے پہر کی کہانیاں'' کے کچھ افسانے محمد تغلق عہد کی عکاسی کرتے ہیں۔ مثلاً ''دارالخلافے اور لوگ'' میں تغلق خاندان کے فرمارواؤں کا عوام سے سلوک واضح کیا گیا ہے۔ اسی مجموعے کا ایک اور افسانہ ''روپالی'' شیر شاہ سوری عہدکی عکاسی کرتا ہے۔ اس کہانی میں بھی شیر شاہ سوری کے عوام کے مفادات کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کا ذکر ہے۔ جس میں شیر شاہ سوری کا یہ کارنامہ کہ روپے کا اجراء کیا سکہ سازی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اور ٹانکہ سکہ جاری کیا گیا۔ کہانی میں شیر شاہ سوری کے دور حکومت کے اقتصادی نظام کی عکاسی کی گئی ہے۔ روپیہ جاری کرنے سے ملک کی خوشحالی میں اضافہ ہوا۔

> ''جب سے وہ علاقہ شیر شاہی قلم رو میں آیا ہے نیچ یاسیوں چماروں ڈھیٹر، کولیوں کے پر لگ گئے ہیں شاہی زمینیں آباد کر رہے ہیں---- وہ شیر شاہی بندوبست میں ایسی شہہ پا گئے ہیں کہ من مانی مجوری پہ ہی آتے ہیں ویسے نہیں جو حرام کے جنے تانبے کے سکے کی شکل دیکھنے جوگے نہیں تھے۔ اب انٹی میں شیر شاہی روپیا دو روپے لگا کے رکھتے ہیں۔ دیکھا تے پھرتے ہیں سب کو کہ دیکھو کھری چاند کا روپیا ہے۔ یہ جمانہ آگیا ئے!''(۷)

پہلے کے مسلم سلاطین اپنے سکے جاری کرتے تو ان پر عربی میں اپنا نام اور سال خیریت اور سلامتی کی دعائیں لکھواتے کہ

''خلد اللہ ملکہ و سلطانہ''

لیکن جب شیر شاہ نے روپیہ جاری کیا تو اس نے نام اور خلد اللہ کے ساتھ ناگری زبان میں اپنا نام لکھوایا کیونکہ عام مزدور، کسان، لوہار سبھی عربی خط سے نا واقف تھے۔ اس طرح سلطان نے عوام سے اپنائیت کا ایک اور راستہ تلاش کر لیا تا کہ شیر شاہ کانام عزت و احترام و قربت کا احساس رعایا کے دلوں میں ہر وقت رہے۔

محمد حبیب لکھتے ہیں:

> ''اس زمانہ میں چاندی کے ایک سکہ کو ''ٹنکہ'' کہا جاتا تھا۔ اور ایک تانبے کے سکے کو جتیل کہا جاتا تھا۔ سلطان نے چاندی کے سکہ کی جگہ پر کانسی کا ایک سکہ جاری کیا اور چاندی کے ٹنکہ کے مساوی اسے ایک علامتی سکہ کی حیثیت سے قبول کئے جانے کا مطالبہ کیا۔'' (۸)

کانسی کے سکے جاری کرنے کی وجہ سے ساری مملکت کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا غیر ملکی تاجروں نے اپنی مصنوعات ہندوستان لانابند کر دیں۔ تاجر کانسی کے سکے کے بدلے اپنا مال نا دیتے تھے۔ تجارت مال کے بدلے مال سے ہونے لگی۔ لوگوں نے چاندی کی ذخیرہ اندوزی کرنا شروع کر دی۔ اس طرح چاندی کی ایک بڑی مقدارگردش سے باہر ہو گئے۔

> ''عاصی، تاجر، چھوٹے بڑے بیوپاری سب قلاش ہو گئے۔ دوکانوں میں بازاروں میں دھول اڑنے لگی۔ گوداموں میں مال پڑے پڑے مٹی ہو گیا۔ کوئی بھی تاجر اس تانبے کے بدلے اپنا چاندی سا مال دینے کو تیارنہ تھا۔ مال کے بدلے مال کے جو سودے ہو سکتے تھے ہوئے باقی جہاں کے تہاں رک گئے۔ منڈیوں میں ہا ہا کار مچ گئی۔ گنتی کے جعل سازوں، ساہوکاروں نے اس آپادھاپی میں مال بنایا باقی برباد ہو گئے۔''(۹)

محمد تغلق کے دور میں بہت سے لشکر مختلف محاذوں پر بھیجے گئے۔ تا کہ نئے نئے علاقے قبضے میں آسکیں۔ خراسان اور عراق کی فتح کے لئے تین لاکھ ستر ہزار سپاہیوں کی ایک فوج اکھٹی کی تھی۔ وہ ان ممالک کو فتح تو نہ کر سکا لیکن اپنی سر زمین پر اسکا قبضہ کمزور پڑتا گیا۔

تمام بادشاہوں میں سے یہ سلطان سب سے زیادہ تحائف دینے والا اور خون ریزی کا دلدادہ تھا۔ بادشاہ تمام غلطیوں کی خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں سزا دیتا تھا۔ اور نہ تو وہ علم والے لوگوں کو اور نہ راست بازوں کو بخشتا اور نہ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والوں کو۔ ہر روز زنجیروں میں سینکڑوں لوگ جن کے ہاتھ ان کی گردنوں سے بندھے ہوتے اور پیروں میں بیڑیاں ہوتی جنہیں وہ اذیت ناک سزائیں دیتا۔ سلطان کی سزاؤں نے لوگوں میں نفرت و دہشت کی لہر دوڑا دی۔ اور جب کبھی حالات اجازت دیتے

تو وہ جابر حکمران کے خلاف بغاوت کر دیتے۔
محمد حبیب لکھتے ہیں:

”سلطان کے کردار کے متعلق اس کے ہم عصروں اور بعد کے لوگوں نے مختلف تجزئیے پیش کئے۔ اسے متنا قضات کا ایک ڈھیر، تخلیق کا ایک عجوبہ۔ فطرت کی ایک ستم ظریفی، ایک بد نصیب مثالیت پسند اور سب سے بڑھ کر ایک بھیانک خواب اور ایک پاگل انسان کانام دیا گیا۔“(۱۰)

بادشاہ کی نا عاقبت اندیشی اور سخت مزاج بادشاہ اور رعایا دونوں کے لئے مصیبت کا باعث بنا۔ ۱۵۳۱ء میں محمد تغلق کی وفات ہو گئی مرنے سے پہلے محمد تغلق نے فیروز شاہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ جو اپنے ہم زاد ”محمد تغلق“ کا اثر قبول کرتے ہوئے ایک نیا شہر بسانے کے لئے لاکھوں گھرانوں کو محرومیوں کے سپرد کر دیا۔
اسد محمد خاں لکھتے ہیں:

”ہم زاد محمد تغلق نے اس شہر کو بسانے کے لئے لاکھ سوا لاکھ گھر ویران کئے تھے رعیت میں کتنے ہی لاکھ نفوس ایک سخت گیر سلطان کا حکم بجا لانے کو ویرانوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ پھر ہزاروں کو وہیں موت نے آلیا۔“(۱۱)

اسد کی کہانیوں کو عہدِ حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو ہمیں کوئی بھی حکمران ایسا نہیں ملے گا جس کا دور حکومت شیر شاہی عہد جیسا ہو۔ بلکہ ہر جگہ تغلق کے جانشین نظر آتے ہیں۔ جنہیں صرف اپنے مفادات سے غرض ہے۔ اور غریبوں کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہو رہی۔ اور ان کی غربت کو دور کرنے کے لئے کہیں روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ لیکن ان نعروں پر عمل درآمد بہت کم ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کا معاشی نظام بالکل تباہ ہو گیا ہے۔

” روپالی“ اور ”دارالخلافے اور لوگ“ میں کہیں بھی دربار سے یا سلطان سے وابستہ لوگوں کے نظریات نہیں ملتے بلکہ رعایا کیا سوچتی ہے اور رعایا نے اپنے حکمرانوں سے کیا امیدیں وابستہ کی ہیں۔ سلطان کی حکمت عملی کیا رہی اور ان کے احکامات سے عام زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ حکمرانوں کا اپنی رعایا کے ساتھ کیا سلوک رہا۔ اور ان کے احکامات سے رعایا کی مذہبی، اقتصادی اور سیاسی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ شیر شاہ نے جتنے بھی کام کئے اس نے مفاد عامہ کو پیش نظر رکھا جبکہ محمد تغلق کے دور حکومت میں بہت سے غلط فیصلے کئے گئے۔ جن کے بعد ازاں اثرات سے حکومت اور رعایا دونوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

اسد محمد خاں کی افسانہ نگاری مختلف جہتوں، رستوں اور منزلوں سے ہو کر گزری ہے۔ روایتی موضوعات سے ہٹ کر نئے پہلوؤں پر افسانے پیش کرنا ان کی فنی مہارت کی دلیل ہے۔ ان کے افسانوں کو پڑھنے کے بعد قاری کے ذہن میں طرح طرح کے سوالات جنم لیتے ہیں۔ جن میں نہ صرف زندگی کی تلخیاں، محرومیاں اور مجبوریاں ہی پائی جاتی ہیں۔ بلکہ معاشرے میں پیدا ہونے والی طرح طرح کی برائیاں اور کمزوریاں بھی سامنے آتی ہیں۔ موضوعات کے اعتبار سے ان کے افسانے کہیں بھی یکسانیت کا شکار نہیں ہوتے۔ نئے نئے موضوعات پر انہوں نے لکھا۔ ہر افسانے میں ایک نئی بات ایک نئے مسئلے کی طرف قاری کی توجہ مبذول کروائی۔ ان کے افسانے اعلٰی ادبی شعور کے آئینہ دار ہیں۔ زندگی کے متعلق ان کا اپنا نظریہ ہے۔ زندگی کے کرب و تلخ حقائق کو رو برو رکھ کر سچائیوں کی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے کردار کے باطن میں اتنی گہرائی سے اتر جاتے ہیں کہ شاید ہی کوئی ان سے اجنبی رہ سکے۔ ان کا ہر افسانہ فنی پختگی لئے ہوتا ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ انوار احمد،ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ،اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،۲۰۰۷ء،ص ۷۳۱
۲۔ محمد علی چراغ،تاریخِ پاکستان،لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز،ص ۱۳۶
۳۔ اسد محمد خاں، جو کہانیاں لکھیں،کراچی: اکادمی بازیا فت، ۲۰۰۷ء،ص ۷۶۴
۴۔ ایضاً،ص ۳۵۱
۵۔ حمیرا اشفاق،جدید اردو فکشن کے عصری تقاضے اور بدلتے رجحانات،لاہور:سانجھ پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص ۴۳
۶۔ مظہر جمیل،سید،اسد محمد خاں،جہانِ فن،مشمولہ دچپا رسو،شمارہ جنوری تاجون،۲۰۰۸ء،ص۴۳
۷۔ اسد محمد خاں، رویالی،مکالمہ ۱۰،کراچی: اکادمی با زیافت۲۰۰۳ء، جنوری تاجون،تر تیب: جین مرزا،ص ۲۸۶
۸۔ محمد حبیب / خلیق نظامی،جامع تاریخ سید،لاہور: تخلیقات،۱۹۷۰ء،ص ۶۵۰
۹۔ اسد محمد خاں، جو کہانیاں لکھیں،کراچی: اکادمی بازیا فت، ۲۰۰۷ء،ص ۲۳۹
۱۰۔ محمد حبیب / خلیق نظامی،جامع تاریخ سید،لاہور: تخلیقات،۱۹۷۰ء،ص ۶۹۹
۱۱۔ اسد محمد خاں، جو کہانیاں لکھیں،کراچی: اکادمی بازیا فت، ۲۰۰۷ء،ص ۳۹۶